اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (النّسآء:136)

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ۔ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ۔وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

## لفظ ''امنوا'' اہل علم کی نظر میں:۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا (النسآء:136) (اے ایمان والو! اے ماننے والو! اے وہ لوگو! جو اللہ رب العزت اور اس کے پیارے محبوب ﷺ کے حکموں کو ماننے کا اقرار کر چکے ہو)

اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (النسآء:136) تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لے آؤ۔

قرآن پاک کی یہ آیت پڑھنے والوں کو حیران کر دیتی ہے۔ اس لیے کہ اس آیت میں خطاب بھی ایمان والوں سے ہے۔ فرمایا یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا (النسآء:136) کافروں سے خطاب نہیں، کہ یہ کہا ہو یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا، منافقوں سے خطاب نہیں کہ یہ کہا ہو، یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ نَافَقُوْا خطاب کن سے ہے؟ ایمان والوں سے، اور حکم کیا دے رہے ہیں؟ اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ (تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لے آؤ).....ایمان والوں کو ایمان لانے کا حکم!!!.....اٰمِنُوْا کا کیا مطلب ہے؟ اس کے کئی مطلب لیے گئے ہیں۔

☆ بعض نے فرمایا: اٰمِنُوْا کا مطلب ہے اِتَّقُوْا ''کہ تم اپنے اندر تقویٰ پیدا کرو۔

☆ بعض نے فرمایا: ''اے زبان سے اقرار کرنے والو! اپنے دل سے بھی اس کی تصدیق کر لو''۔

☆ بعض نے فرمایا: ''اپنے ظاہر اور باطن کے تضاد کو دور کر دو''

☆ بعض نے فرمایا: ''اپنے قول اور فعل کے فاصلوں کو مٹا دو''

☆بعض نے فرمایا: ''دورنگی چھوڑ دو، یک رنگ ہو جاؤ''

مشکلاتِ لا الہ:

دوسری آیت مبارکہ میں فرمایا:

اُدۡخُلُوۡا فِی السِّلۡمِ کَآفَّۃً (البقرہ:208) تم پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔

یعنی سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک تم مسلمان بن جاؤ۔ یاد رکھیں کہ مسلمان بننا کوئی آسان کام نہیں ہے

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

اس کے لیے محنت چاہیے

چومی گویم مسلمانم بہ لرزم کہ دانم مشکلاتِ لا الہ

''جب میں یہ چاہوں کہ میں مسلمان ہوں تو میں کانپ اٹھتا ہوں کیونکہ لا الہ کی الا اللہ کی مشکلات سے میں واقف ہوں''

کہنا آسان ہے اور کرنا مشکل کام ہے۔ اس دنیا میں آنا آسان اور صحیح معنوں میں انسان بن جانا، یہ بڑا مشکل کام، جو بنتا ہے یا بناتا ہے وہ ہی پتا پاتا ہے۔ جب بننے کے لیے محنت کرو گے تو پھر سمجھ لگے گی کہ یہ کام کتنا مشکل ہے!

مصحفی ہم تو سمجھے تھے کہ ہو گا کوئی زخم سینے بیٹھے تو بہت کام رفو کا نکلا

حقائق کے آئینے میں ہماری کیفیت:

ہم جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں تو ہم اپنے آپ سے پوچھیں کہ ہمارا کون سا عضو مسلمان ہے؟ تھوڑی

دیر کے لیے اسی پر بیٹھ کر غور کریں، کیا میری آنکھیں مسلمان بن گئیں؟، اس لیے کہ جو آنکھیں مسلمان ہوں گی وہ غیر محرم پر بری نیت سے نہیں ڈالیں گے، کیا میرے کان مسلمان بن گئے؟ کہ یہ خلافِ سنت باتیں نہیں سنیں گے، کیا میری زبان مسلمان بن گئی؟ کہ اس سے کوئی بات خلاف شرع نہیں نکلے گی، کیا میرے ہاتھ مسلمان بن گئے؟ کہ یہ اب کسی مسلمان کی جان، مال اور عزت پر نہیں اٹھیں گے، کیا میرے پاؤں مسلمان بن گئے؟ کہ یہ پھر کسی گناہ کے لیے چل کر نہیں جائیں گے، اگر ایسا نہیں تو ہمارے جسم کا کون سا عضو مسلمان ہے جس کی وجہ سے ہم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں؟؟

☆ دل ہے تو غیر کی محبّت سے بھرا ہوا ہے۔

☆ ذہن ہے تو شہوانی اور شیطانی خیالات سے بھرا ہوا ہے۔

☆ آنکھ میلی ہے۔

☆ حرام حلال کی تمیز نہیں۔

تو پھر سوچیے کہ آخر مسلمانی کس چیز کا نام ہے؟

زبان سے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل؟ دل و نگاہ مسلما ں نہیں تو کچھ بھی نہیں

ہم اپنے عمل سے اس بات کا ثبوت دیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ علامہ اقبال کا ایک شعر بڑا ہی عجیب ہے! ؎

تو عرب ہے یا عجم ہے تیرا لاالٰہ الاّ لغتِ غریب جب تک ترا دل نہ دے گواہی

جب تک دل گواہی نہ دے ہمارا یہ لا الٰہ الا اللّٰہ کہنا لغت غریب کی مانند ہے۔

ہماری یہ حالت بن چکی ہے کہ ہماری آنکھیں کھلی رہتی ہیں، گردن تنی رہتی ہے، ہم دوسروں کے چہروں پر نظر ڈالتے ہیں اور ان کے عیب ٹٹولتے پھرتے ہیں۔ اے کاش! یہ گردن جھک جاتی، یہ آنکھیں بند ہوتیں اور یہ نگاہیں اپنے سینے پر پڑتیں کہ میرے اپنے اندر کیا عیب چھپے ہوئے ہیں؟

منہ دیکھ لیا آئینے میں ، پر داغ نہ دیکھے سینے میں
جی ایسا لگایا جینے میں ، مرنے کو مسلماں بھول گئے
تکبیر تو اب بھی ہوتی ہے مسجد کی فضا میں اے انور!
جس ضرب سے دل ہل جاتے تھے وہ ضرب لگانا بھول گئے

ایک وقت تھا کہ یہ مومن، یہ نوجوان رات کے آخری پہر میں اٹھتا تھا، لا الٰہ الا اللّٰہ کی ضربیں لگاتا تھا اور اس کے سینے میں دل کانپتا تھا۔

تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے
کھویا گیا ہے تیرا جذبِ قلندرانہ

وہ سوز اور جذب ہم سے چھن چکا ہے۔

تیر ی محفل بھی گئی چاہنے والے بھی گئے
شب کی آہیں بھی گئیں صبح کے نالے بھی گئے

وہ نوجوان جو رات کے آخری پہر میں اٹھتے تھے وہ سسکیاں لے لے کر روتے تھے۔ اپنے رب کو مناتے تھے، ان کے آنسوؤں سے ان کے دامن تر ہو جاتے تھے۔ آج وہ چہرے نظر نہیں آتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے اندر کی انگیٹھی ٹھنڈی ہو چکی ہے۔

محبّت کا جنوں باقی نہیں ہے
وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے

ہمارے اندر کا انسان کہیں گم ہو چکا ہے۔ وہ کہیں کھو گیا ہے۔ وہ کہیں سو گیا ہے۔ اسے جگانے کی ضرورت ہے

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں راہ دکھلائیں کسے؟ راہ روِ منزل ہی نہیں

ہمیں اپنے من کی دنیا کی بنانا ہے، اپنے من کی دنیا کو بسانا ہے اور اپنے اعمال پر محنت کرنی ہے۔ ہمارے اعمال کی حالت تو اتنی پتلی ہو چکی ہے کہ ایک مسجد میں امام صاحب نے سلام پھیر کر پوچھا: بھئی! میں نے دو رکعتیں پڑھی ہیں یا چار؟ پوری مسجد میں کوئی ایک آدمی بھی ایسا نہیں تھا جو یقین سے کہتا کہ ہم نے دو پڑھی ہیں یا چار پڑھی ہیں۔ سب کہہ رہے تھے پتہ نہیں کتنی پڑھی ہیں۔ یہ قربِ قیامت کی علامت ہے۔ نبی علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا کہ ''تم دیکھو گے کہ پوری مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی ہو گی مگر ان کے دل اللہ کی یاد سے خالی ہوں گے''۔ آج دلوں میں حضوری نہیں ہوتی۔ حاضری تو نصیب ہو جاتی ہے مگر حضوری سے محروم ہیں۔ ہم اللہ رب العزت سے حضوری بھی مانگیں اور اللہ رب العزت سے یہ دعا بھی کریں کہ وہ اندر کے انگارے پھر سے روشن ہو جائیں۔

حقیقت خرافات میں کھو گئی یہ امت روایات میں کھو گئی
لبھاتا ہے دل کو بیانِ خطیب مگر لذتِ شوق سے بے نصیب
وہ صوفی کہ تھا خدمتِ حق میں مرد محبّت میں یکتا امانت میں فرد
عجم کے خیالات میں کھو گیا وہ سالک مقامات میں کھو گیا
بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے مسلماں نہیں، راکھ کا ڈھیر ہے

ہمیں عشق الٰہی کی اس آگ کو بھڑکانا ہے تاکہ ہمارے اعمال میں جان پیدا ہو جائے۔ شاعر نے کہا:

سنی نہ مصر و فلسطین میں وہ اذاں میں نے دیا تھا جس نے پہاڑوں کو رعشۂ سیماب

سیماب کہتے ہیں پارے کو۔ وہ تھرکتا رہتا ہے۔ کہتا ہے کہ میں نے مصر اور فلسطین میں بھی وہ اذان نہ سنی کہ جس کو سن کر پہاڑ بھی پارے کی طرح کانپتے تھے

وہ سجدہ روحِ زمیں جس سے کانپ جاتی تھی اس کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

آج اللہ کی زمین بھی تلاش کرتی ہے کہ کہاں گئے وہ لوگ جو اتنے خلوص سے سجدہ کرتے تھے کہ زمین بھی کانپ اٹھتی تھی۔ ہماری حالت بھی یہی ہے

میں جو سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
تیرا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں!؟

ہمیں آج دلوں پر محنت کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمارے دل سِل بن چکے ہیں، پتھر بن چکے ہیں، ان کو موم کرنے کی ضرورت ہے۔ دورنگی چھوڑنے کی ضرورت ہے

دو رنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا
سراسر موم ہو جا یا سنگ ہو جا

ہمارے اسلاف سراپا عمل تھے اور آج ہمارے پاس فقط باتیں ہیں۔

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تو نے؟
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا؟
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبّت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِ دارا

تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار ،وہ کردار،تو ثابت ، وہ سیارہ

واقعی، ہماری زندگی عجیب بنتی چلی جارہی ہے کہ زبان سے ہم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، جب کہ اگر کوئی ہمارے عملوں کو دیکھے تو ہو وہ ہماری من مرضی کے ہوتے ہیں۔اس فرق کو دور کرنے کے لیے اللہ والوں سے تعلّق جوڑنا پڑتا ہے۔پھر انسان کے اندر کا انسان بیدار ہوتا ہے۔اور انسان کو دین کی روح نصیب ہوتی ہے۔آج تو اکثر و بیشتر نوجوان آکر کہتے ہیں: حضرت! دعا کریں، دماغ بہت گرم رہتا ہے۔پتا نہیں آج کل کے نوجوانوں کی کیا پریشانی ہے!؟ وہ ہر وقت ٹینشن میں رہتے ہیں۔ایک صاحب کہنے لگے: حضرت! بس غصے میں طلاق دے بیٹھا ہوں۔ہم نے پوچھا کہ ذرا یہ تو بتاؤ! کبھی کسی نے خوشی میں بھی بیوی کو طلاق دی ہے؟ اپنے آپ پر قابو نہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ محنت نہیں کی۔بلکہ جس کو چار پیسے مل جاتے ہیں وہ سرکاری سانڈ بنا پھرتا ہے۔اس کو کچھ پروا نہیں ہوتی۔وہ اللہ کے بندوں کو اللہ کا بندہ ہی نہیں سمجھتا۔

## سب سے بری بیماری:

یاد رکھنا! بیماریوں میں سب سے بری بیماری دل کی بیماری ہے۔اور دل کی بیماریوں میں سب سے بری بیماری دل آزاری ہوتی ہے۔ہماری حالت یہ ہے کہ ہم دوسرے بندے کی معمولی سی بات پر اس کی دل آزاری کر دیتے ہیں۔ایسی بات کہہ دیتے ہیں کہ اس سے دوسرے کے دل پر چھری چل جاتی ہے۔ہمیں پھر سے سیکھنے کی ضرورت ہے کہ ایک مومن کی زندگی کیسی ہوتی ہے۔اور اس کو سیکھنے کے لیے مشائخ کی خدمت میں کچھ وقت گزارنا پڑتا ہے۔

نبی علیہ السّلام نے فرمایا،

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ

''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے دوسرے مسلمان سلامتی میں ہوں''

یعنی ان کا مال، ان کی جان اور ان کی عزت سلامت ہو۔ ایسا آدمی صحیح معنوں میں مسلمان کہلانے کا حق دار ہے۔ ہم ذرا اپنے آپ سے پوچھیں کہ کیا اس تعریف پر ہم پورے اترتے ہیں؟ ہم نے تو اللہ کے بندوں کو پریشان کر رکھا ہے۔

☆ خاوند نے بیوی کے ناک میں دم کیا ہوتا ہے،

☆ بیوی نے خاوند کو ستایا ہوا ہوتا ہے،

☆ ساس اور بہو کے اندر چپقلش ہوتی ہے،

☆ نند اور بھابھی کے درمیان عجیب کہانیاں ہوتی ہیں،

☆ پڑوسی اور پڑوسی کے درمیان جھگڑے ہوتے ہیں،

☆ سگے دو بھائی ایک دوسرے کی شکل دیکھنا گوارا نہیں کرتے،

سوچیں کہ اسلام ہمیں کیا سکھاتا ہے اور عملی طور پر ہماری زندگی کیسے گزر رہی ہے!؟

دین سراسر خیر خواہی ہے:

نبی علیہ السّلام نے فرمایا:

اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَة دین سراسر خیر خواہی ہے

کیا مطلب؟ کہ مومن دوسرے مومن کا خیر خواہ ہوتا ہے۔ یاد رکھنا! جہاں آپ کو ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بدخواہ نظر آئے تو سمجھ لینا کہ دین کی دھجیاں اڑ چکی ہیں۔

## ایثار کے انمٹ نقوش:

دینِ اسلام نے ہمیں ایثار کا سبق دیا ہے۔اس سلسلہ میں صحابہ کرامؓ نے اپنی زندگیوں میں انوکھی مثالیں قائم کی ہیں۔ایک مجاہد زخمی حالت میں کہتے ہیں: اَلْعَطَشْ اَلْعَطَشْ ''پیاس پیاس''۔ان کے کزن کہتے ہیں کہ میں مشک لے کر آگے بڑھا کہ پانی پلاؤں،مگر جب وہ پینا چاہتے تھے تو ایک اور مجاہد نے کہا: اَلْعَطَشْ ''پیاس''۔چنانچہ اس نے اپنا منہ بند کرلیا اور اشارہ کیا کہ اس کو پلائیے۔میں ادھر گیا۔ وہ پینا ہی چاہتا تھا کہ تیسری طرف سے آواز آئی،العطش (پیاس)۔اس نے بھی اپنا منہ بند کرلیا اور اس کے پاس جانے کا اشارہ کیا۔تیسرے کے پاس پہنچا تو میرے جانے سے پہلے وہ شہید ہو چکا تھا۔جب لوٹ کر دوسرے کے پاس آیا کہ اسے پلا دوں تو وہ بھی شہید ہو چکا تھا،پھر جب لوٹ کر پہلے کے پاس آیا تو وہ بھی شہید ہو چکا تھا۔وہ زندگی کے آخری لمحے میں بھی اپنے بھائی کو اپنے اوپر ترجیح دیا کرتے تھے۔اسی حقیقت کو قرآن مجید نے یوں آشکار کیا:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر:9)

ابوالحسن نوریؒ سے بادشاہِ وقت نے اپنی مرضی کا کوئی فتویٰ مانگا،مگر انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔چنانچہ بادشاہ نے تین علما کو گرفتار کروایا۔وہ چاہتا تھا کہ ان کو سزا دی جائے۔لہٰذا غصے میں آکر اس نے ان کے قتل کے احکام جاری کر دیے۔

جب جلاد قتل کرنے لگا تو بادشاہ نے دیکھا کہ ابوالحسن نوریؒ سب سے آگے کھڑے ہیں۔اسے ان کے ساتھ عقیدت بھی تھی۔وہ چاہتا تھا کہ باقی دو کو تو قتل کر دیا جائے اور ان کو میں کسی بہانے سے معاف کر دوں۔اس لیے وہ کہنے لگا کہ یہ جگہ ٹھیک نہیں،ان کو فلاں جگہ پر قتل کرو۔اس کا مقصد تھا کہ ان کی ترتیب

بدل جائے گی۔ جب دوسری جگہ پر ان کو دیکھا تو ابوالحسن نوریؒ پھر آگے کھڑے تھے۔ وہ بڑا حیران ہوا اور اس نے ان کو قریب بلایا اور کہا کہ یہاں ان کو قتل کرو۔ تیسری جگہ پھر ابوالحسن نوریؒ آگے کھڑے ہو گئے۔ بادشاہ نے حیران ہو کر اب ان کو اپنے قریب بلا لیا اور حقیقت بتا دی کہ میں چاہتا تھا کہ پہلے دوسروں کو قتل کر دیا جاتا، مگر ہر دفعہ آپ ہی آگے کھڑے نظر آئے، آخر کیا وجہ ہے؟ ابوالحسن نوری i نے فرمایا کہ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ جب میں آگے کھڑا ہوں تو جتنی دیر اس جلاد کو مجھے قتل کرنے میں لگے گی میرے ان بھائیوں کو اتنی دیر کے لیے زیادہ زندہ رہنے کا موقع مل جائے گا۔

## جب ہم صحیح معنوں میں مسلمان تھے:

ایک وقت تھا کہ جب مسلمانوں کے پڑوس کی قیمت زیادہ ہوا کرتی تھی۔ عبداللہ بن مبارک کے پڑوس میں ایک یہودی تھا۔ وہ مکان بیچنا چاہتا تھا۔ ایک خریدار آیا اور اس نے پوچھا: جی آپ نے یہ مکان کتنے میں بیچنا ہے؟ اس نے کہا کہ دو ہزار دینار میں۔ لینے والے نے کہا: بھئی! اس علاقے میں تو ایسے مکان کی قیمت ایک ہزار دینار ہوتی ہے اور آپ مجھ سے دوگنا قیمت مانگ رہے ہیں۔ یہودی کہنے لگا: ہاں! ایک ہزار دینار میرے مکان کی قیمت ہے اور دوسرا ہزار دینار عبداللہ بن مبارک کے پڑوس کی قیمت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت ہمارے اخلاق ایسے ہوتے تھے کہ ہر ایک کا بھلا سوچتے تھے اور پھر ہمارے پڑوس کے مکانوں کی قیمتیں بڑھ جایا کرتی تھیں۔ لوگ ہمارے عملوں کو دیکھ کر مسلمان ہوتے تھے۔

## ایک نوجوان کی دیانتداری کا واقعہ:

ایک نوجوان مسلمان پردیس میں تھا۔ چھٹی کے دن شکار کھیل رہا تھا۔ جب اس نے تیر مارا تو اس کا نشانہ خطا ہو گیا اور تیر ایک عیسائی لڑکے کو جا لگا۔ لڑکے نے وہیں جان دے دی۔ لڑکے کے والدین نے اسے

پکڑ لیا۔ دوسرے عیسائیوں نے اسے مشورہ دیا کہ مقدمہ چلاؤ، قاضی مسلمان ہے، تمہیں یقیناً انصاف ملے گا۔ چنانچہ وہ بہت خوش ہوئے۔

جب مقدمہ چلا تو قاضی نے اس نوجوان سے پوچھا: کیا آپ کا تیر لگنے سے وہ لڑکا فوت ہوا؟ نوجوان نے کہا: جی ہاں، مگر یہ قتلِ خطا ہے، قتلِ عمد نہیں، میں نے پرندے کو مارنے کے لیے نشانہ باندھا تھا مگر غلطی سے لڑکے کو جا لگا۔ قاضی نے کہا: جو بھی ہے، تم ان لوگوں کو مطمئن کر دو، اگر یہ مطمئن ہو جائیں تو ٹھیک، ورنہ جان کے بدلے جان والا معاملہ ہوگا۔ اب اس نے ان کو مطمئن کرنے کی بڑی کوشش کی، مگر وہ عیسائی ڈٹ گئے اور کہنے لگے کہ ہم آپ کو پھانسی پر چڑھتا دیکھیں گے تب ہمارے بچے کا انتقام پورا ہو گا۔ چنانچہ قاضی نے اس کی پھانسی کا حکم دے دیا۔ ان دنوں جمعہ کے دن جمعہ کی نماز پڑھ کر بڑے مجمع میں سب مجرموں کو سزائیں دی جاتی تھیں۔ چنانچہ قاضی صاحب نے اس کو جیل بھیج دیا۔ رات اس نے وہیں جیل میں گزاری۔

اس وقت کا جیل سپرنٹنڈنٹ (جس کو جیلر کہتے ہیں) عیسائی تھا۔ یہ نوجوان اگلی صبح اس عیسائی جیلر کے پاس آیا اور کہنے لگا: میں مسلمان ہوں، مجھ سے غلطی ہوئی ہے، بچہ قتل ہو گیا ہے، جمعہ کے دن مجھے سزا ملنی ہے، حد قائم ہونی ہے، میں چاہتا ہوں کہ میں واپس اپنے دیس میں جا کر بیوی بچوں سے ملاقات بھی کر لوں اور ان کو اطلاع بھی دے دوں، امانتیں بھی واپس کر دوں اور قرض بھی لوٹا دوں، اگر آپ مجھے جانے کی اجازت دے دیں تو میں اگلے جمعہ سے پہلے پہلے واپس آجاؤں گا، اور میں مسلمان ہوں۔ جب اس نے کہا کہ میں مسلمان ہوں تو اس سپرنٹنڈنٹ نے کہا: بہت اچھا! میں اپنی ذمہ داری پر آپ کو آزاد کرتا دیتا ہوں، آپ جمعہ کی نماز سے پہلے پہنچ جانا۔ کافر کے دل میں بھی ایک مسلمان کا اتنا اعتماد تھا! چنانچہ وہ قتل کا مجرم گھر چلا گیا۔

جب جمعہ کا دن آیا تو لوگ قاضی صاحب کے پاس اکٹھّے ہو گئے۔اس نے اس نوجوان کے بارے میں پوچھا کہ وہ قتل کا مجرم کہاں ہے؟ جیلر نے کہا: جناب! میں نے اپنی ذمہ داری پر اس کو چھوڑ دیا تھا۔قاضی نے کہا: باقی حدود قائم ہونے تک وہ آ گیا تو فبہا، نہ آیا تو پھر اس کی جگہ آپ کو پھانسی دی جائے گی کیونکہ آپ نے اسے چھوڑا ہے۔اب عیسائی اور پریشان ہو گئے کہ بچہ بھی ہمارا مرا ہے اور اس کے بدلے بندہ بھی ہمارا پھانسی چڑھے گا۔

اللہ کی شان دیکھیے کہ جب باقی سب کیس نمٹ گئے تو قاضی نے اس نوجوان کو طلب کیا۔مگر ابھی تک وہ نہیں پہنچا تھا۔چنانچہ قاضی نے کہا کہ جیلر آگے آئے۔اس کو پھانسی دی جائے گی۔جب جیلر آگے بڑھا تو عیسائیوں نے پریشان ہو کر ادھر ادھر دیکھا تو ان کو دور سے ایک سایہ سا نظر آیا۔لوگوں نے کہا: قاضی صاحب! تھوڑی دیر انتظار کیجیے، کوئی آ رہا ہے۔قاضی صاحب نے تھوڑی دیر انتظار کیا تو دیکھا کہ ایک نوجوان بھاگتے بھاگتے پسینے میں شرابور وہاں پہنچا۔وہ وہی نوجوان تھا۔

اس نے آتے ہی اس عیسائی جیلر سے معافی مانگی اور کہا کہ میں وقت پر ہی چل پڑا تھا، مجھے کشتی کے ذریعے دریا عبور کرنا تھا، ہوا مخالف سمت کی تھی، چنانچہ بہت کوشش کے باوجود دریا عبور کرنے میں بہت دیر لگی، جس کی وجہ سے وعدے کے مطابق پہنچنے میں تاخیر ہوئی ہے لہٰذا مہربانی فرما کر مجھے معاف کر دیں، اب میں حاضر ہوں۔جب اس نوجوان کے ایفائے عہد کے اس واقعہ کو عیسائیوں نے دیکھا تو وہ کہنے لگے: قاضی صاحب! آپ نے اس نوجوان کی بات بھی سن لی، اب ذرا ہماری بات بھی سن لیجیے کہ جب یہ اپنے قول کا اتنا پکا اور سچا ہے تو ہم فقط اس کی ہی جان بخشی نہیں کرتے بلکہ ہم کلمہ پڑھ کر مسلمان ہونے کا اعلان بھی کرتے ہیں۔

## مسلمان معاشرے میں خیر خواہی کا عالم:

جس زمانے میں بغداد مسلمانوں کا مرکز تھا، اس وقت کافروں نے ایک نوجوان کو بغداد میں بھیجا کہ ذرا مسلمانوں کے ماحول معاشرے کا پتہ کر کے آؤ کہ ان کے اندر وہ کیا چیز ہے جس کی وجہ سے یہ پوری دنیا میں غالب آتے جا رہے ہیں؟

جب وہ بغداد میں پہنچا تو اس وقت وہ تھکا ہوا بھی تھا اور اسے بھوک بھی لگی ہوئی تھی۔ چنانچہ اس نے سوچا کہ میں ہوٹل سے کھانا کھا لیتا ہوں۔ وہ ہوٹل میں کھانا کھانے کے لیے گیا۔ جب وہ کھانا کھا رہا تھا تو اس نے دیکھا کہ کوئی دوسرا بندہ اس کو بڑے غور سے دیکھ رہا ہے۔ یہ سمجھا کہ میں اس کے لیے پردیسی اور اجنبی ہوں، شاید اسی وجہ سے مجھے بار بار دیکھ رہا ہے۔ جب وہ کھانا کھانے کے بعد پیسے ادا کرنے کے لیے کاؤنٹر پر آیا تو کاؤنٹر والے نے کہا: جناب! آپ کی پیمنٹ ہو چکی ہے۔ اس نے پوچھا: جی! میری پیمنٹ کیسے ہو چکی ہے؟ اس نے کہا: آپ کے سامنے ایک مسلمان بیٹھا تھا، اس نے دیکھا کہ آپ پردیسی ہیں، وہ اپنے پیسے بھی دے گیا اور یہ کہہ کر گیا کہ یہ بھائی آج میرا مہمان ہے، لہٰذا اس کے پیسے بھی میں ادا کر دیتا ہوں۔ چنانچہ وہ آپ کی پیمنٹ بھی کر کے چلا گیا، اور اس کو اتنی طمع بھی نہیں تھی کہ وہ آپ کو اطلاع دیتا اور آپ کی زبان سے شکریہ کا لفظ سن لیتا۔ یہ سن کر وہ حیران ہوا کہ مسلمان ایسے لوگ ہوتے ہیں۔

اس کے بعد وہ آگے بڑھا ایک دکان پر اسے کوئی چیز خریدنی تھی۔ چنانچہ اس نے دکاندار سے پوچھا: کیا آپ کے پاس فلاں چیز موجود ہے؟

دکاندار نے کہا: ہاں موجود ہے۔

اس نے پوچھا: اس کی کتنی قیمت ہے؟

دکان دار نے کہا: اتنی

اس نے کہا: اچھا! آپ مجھے ایک عدد دے دیجیے۔

دکان دار نے کہا: جناب! آپ میری ایک بات مان لیجیے کہ یہی چیز آپ کو سامنے والی دکان سے اسی دام میں مل جائے گی، آپ وہاں سے خرید لیں۔

چنانچہ یہ وہاں پہنچا اور اسے وہی چیز اتنے ہی دام میں وہاں سے مل گئی۔ مگر اس کے دل میں خلش پیدا ہوئی کہ پہلے دکاندار نے انکار کیوں کیا؟ لہٰذا وہ لوٹ کر پہلے کے پاس آیا۔

اس نے پوچھا: جناب کیا آپ کے پاس یہ چیز موجود نہیں تھی، یا آپ دینا نہیں چاہتے تھے؟

دکان دار نے کہا: جناب! میرے پاس یہ چیز موجود تھی۔ میں نے سوچا کہ آج میرے پاس اتنے گاہک آچکے ہیں کہ میرے بیوی بچوں کا گزارا اچھا ہو جائے گا، میں نے دیکھا کہ میرے سامنے والے بھائی کے پاس آج تھوڑے گاہک آئے ہیں، میں نے سوچا کہ اگر آپ اس سے کوئی چیز خرید لیں گے تو اسے بچت ہو جائے گی اور آج رات اس کے بیوی بچوں کا گزارا ہو جائے گا۔

ایک وقت تھا کہ دکاندار ایک دوسرے کے اتنے خیر خواہ ہوتے تھے۔

## اسلام کا بول بالا:

کاندھلہ انڈیا کا ایک بڑا قصبہ ہے، اللہ نے مجھے وہاں جانے کا موقع نصیب کیا، تقسیمِ ہند سے بہت پہلے کی بات ہے، وہاں ایک زمین کا ٹکڑا تھا جس پر ایک مسلمان اور ہندو کا جھگڑا ہوا۔ مسلمان کہتا تھا کہ یہ میرا ہے اور ہندو کہتا تھا کہ یہ میرا ہے۔ جب بات ذرا زیادہ بڑھی تو مسلمان نے کہہ دیا کہ اگر یہ ٹکڑا مجھے مل گیا تو میں مسجد بناؤں گا۔ ہندو نے بھی کہہ دیا کہ اگر مجھے مل گیا تو میں اس پر مندر بناؤں گا۔ لو، بات تو ذاتی تھی مگر وہ مذہبی معاملہ بن گیا۔

ادھر سے مسلمان آ گئے اور کہنے لگے کہ ہم مسجد بنا کے رہیں گے اور ادھر سے ہندو آ گئے اور کہنے لگے کہ ہم مندر بنا کے رہیں گے۔ یوں پورے شہر کے اندر آگ سی لگ گئی۔ چنانچہ انگریز پریشان ہوا کہ یہ کیا معاملہ بنا۔ اگر ذرا سی بے احتیاطی ہوئی تو یہاں نالیوں میں خون بہنا شروع ہو جائے گا اور مصیبت بن جائے گی۔ چنانچہ اس نے مسلمانوں اور ہندوؤں کو عدالت میں بلوایا۔ دونوں طرف سے جم غفیر وہاں پہنچ گیا۔

انگریز جج نے پوچھا: کوئی صلح کی صورت ہو سکتی ہے، تاکہ افہام و تفہیم سے اس مسئلے کو سلجھایا جائے۔ ہندوؤں نے کہا: ہاں! ایک صورت ہو سکتی ہے۔ اور وہ یہ کہ ہم آپ کو ایک مسلمان کا نام بتائی گے، آپ ان کو بلا کر پوچھ لیجیے، اگر وہ یہ کہیں کہ یہ ٹکڑا مسلمانوں کا ہے تو زمین ان کو دے دیں اور اگر وہ کہیں کہ ہندوؤں کا ہے تو زمین ہمیں دے دیں۔ جج نے اگلی تاریخ ڈال دی اور کہا کہ ہاں، ایسا ہی کر لیا جائے گا۔

بالآخر اگلی تاریخ آ گئی،

دن گنے جاتے تھے جس دن کے لیے

پھر عدالت میں لوگوں کا مجمع پہنچا۔ لوگوں نے دیکھا کہ اس وقت ایک بڑے شیخ مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ وہاں جج کی کرسی کے قریب بیٹھے ہیں۔ انگریز جج نے ان کو ہندوؤں کی نشاندہی پر بلایا تھا۔

جج نے پوچھا: مفتی صاحب! یہ زمین کا ٹکڑا کس کا ہے؟

مفتی صاحب نے جواب دیا: اس ہندو کا۔

جج صاحب نے پوچھا: مفتی صاحب! کیا ہندو یہاں پر مندر بنا سکتے ہیں؟

مفتی صاحب نے فرمایا: جب ملکیت ان کی ہے تو اختیار بھی ان کا ہے۔ وہ چاہیں تو مندر بنائیں، چاہیں

تو اپنا گھر بنائیں۔

جب انہوں نے یہ جواب دیا تو مسلمانوں کے دل بہت زیادہ ڈوب گئے۔اس کے بعد انگریز نے اپنا فیصلہ سنایا۔اس تاریخی فیصلے میں اس نے کہا:

آج مسلمان تو ہار گئے مگر اسلام جیت گیا۔

جب ہندؤں نے جج کا فیصلہ سنا تو انہوں نے کہا:

''جج صاحب! آپ ہمارا فیصلہ بھی سن لیجیے کہ جب اسلام جیت گیا، جو ایسا اچھا اور کھرا مذہب ہے، تو ہم بھی کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوتے ہیں۔اب اس جگہ پر ہم اپنے ہاتھوں سے مسجد بنائیں گے۔''

تو ایک وقت تھا جب ہمارے قول وفعل کو دیکھ کر کافر بھی مسلمان ہو جاتے تھے۔آج ہماری زندگی کیسی بنی ہوئی ہے! ہمیں اس مسلمانی کی لاج رکھنے کی ضرورت ہے۔

ہم سے تو بہروپیا اچھا!!!

اورنگ زیب عالمگیرؒ کے دربار میں ایک بہروپیا اپنا بھیس بدل کر آیا۔بادشاہ نے پہچان لیا۔بہروپیے نے انعام مانگا کہ میں نے سانگ رچایا ہے۔بادشاہ نے کہا: بھئی! میں نے تو پہچان لیا ہے، جب نہیں پہچان سکیں گے تو انعام بھی دیں گے۔

بہروپیے نے کہا: بہت اچھا۔چنانچہ وہ چلا گیا۔وہ سوچ میں پڑ گیا کہ میں کونسا روپ اختیار کروں کہ ان کو پتہ نہ چل سکے؟ بالآخر اس کے دل میں بات آئی کہ بادشاہ اللہ والوں کا بڑا قدردان ہے۔یہ خیال آنے کے بعد اس نے شہر کے باہر جا کر ایک جگہ اپنی جھونپڑی لگالی اور اللہ ہو کا ورد کرنا شروع کر دیا۔جو آدمی بھی پاس جاتا وہ اسے واپس بھیج دیتا۔جب اسی طرح وہ ذکر میں لگا رہا تو آہستہ آہستہ اس کی شہرت ہو گئی۔لوگوں نے آکر دعائیں کروانا شروع کر دیں۔

اورنگ زیب عالمگیرؒ کو بھی ان کا پتہ چل گیا۔ ان کی عادت تھی کہ جب ان کو پتا چلتا کہ کوئی اللہ والا ہے تو خود اس کے پاس ملنے کے لیے جاتے تھے۔ چنانچہ وہ خود بھی گئے اور اپنے اور وزرا کو بھی لے کر گئے۔ ان سے دعا کروائی اور ہزاروں دیناروں سے بھری ایک تھیلی ان کو ہدیے کے طور پر پیش کی۔ انہوں نے کہا: جی نہیں، ہمیں ان چیزوں کی کیا ضرورت ہے! ان کی تم دنیاداروں کو ضرورت ہوتی ہے، لے جاؤ اپنے ساتھ۔ اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ اور زیادہ معتقد ہوئے کہ یہ بندہ تو بے غرض اور بے طمع ہو کر اللہ اللہ کر رہا ہے۔ چنانچہ تھیلی لے کر واپس چلے گئے۔

ابھی اورنگزیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ جا کر دربار میں بیٹھے ہی تھے کہ اتنے میں وہ بہروپیا آ کر کہنے لگا: بادشاہ سلامت! السّلام علیکم

بادشاہ نے کہا: وعلیکم السّلام

بہروپیے نے کہا: بادشاہ سلامت! انعام دیجیے۔

بادشاہ نے پوچھا: بھئی! کس بات کا انعام؟

اس نے کہا: بادشاہ سلامت! آپ مجھے نہیں پہچان سکے۔

بادشاہ نے پوچھا: بھئی! میں کیسے نہیں پہچان سکا؟

اس نے پوچھا: جی! آپ ابھی جس بندے سے مل کے آئے ہیں وہ کون تھا؟

بادشاہ نے کہا: وہ ایک اللہ والا تھا۔

بہروپیے نے کہا: بادشاہ سلامت! وہ میں تھا۔ میں نے اپنے آپ کو ایسا بنا کر پیش کیا کہ آپ نہ پہچان سکے، لہٰذا آپ مجھے انعام دیجیے۔

بادشاہ بڑا حیران ہوا اور اس نے اسے انعام دیا۔ لیکن انعام تھوڑا تھا۔

بہروپیے نے کہا: بادشاہ سلامت! انعام تو بہت کم ہے۔

بادشاہ نے کہا: میں تو بس یہی دے سکتا ہوں۔ ہاں! جب تم وہاں تھے تو میں نے تو دیناروں سے بھرا ہوا تھیلا پیش کیا تھا، تم اس وقت قبول کر لیتے تو پورا تھیلا تمہارا ہوتا۔ اب کیوں انعام کی کمی کا شکوہ کر رہے ہو؟

بہروپیے نے کہا: بادشاہ سلامت! جب آپ نے مجھے تھیلا دیا تھا تو خیال میرے دل میں بھی آیا تھا کہ اچھا موقع ہے، تھیلا ہی لے لیتا ہوں، مگر پھر دل میں خیال آیا، نہیں، اگرچہ تو بہروپیا ہے مگر اللہ والوں کا بھیس بنا کے بیٹھا ہوا ہے۔ اگر تو نے تھیلا قبول کر لیا تو اللہ والوں کی مسند بدنام ہو جائے گی کہ اللہ والے بھی اس طرح ہدیے قبول کرتے ہیں۔ لہٰذا میں نے وضع قطع کا لحاظ رکھا اور میں نے تھیلے کو ٹھوکر لگا دی۔

آپ سوچیے تو سہی کہ ہم سے تو بہروپیا اچھا، جس نے اپنے بہروپ کا بھی لحاظ رکھ لیا اور ایسا کوئی کام نہ کیا جو اللہ والوں کی شان کے خلاف ہو۔ ہم نے بھی کلمہ پڑھا ہے، ہم بھی مسلمان کہلاتے ہیں، ہم کیوں ایسا کام کرتے ہیں جو ایک مسلمان کے شایان شان نہیں ہوتا۔

## نسبتِ محمدی ﷺ کی فکر:

جامع مسجد دہلی کے سیڑھیوں پر فقیر بھیک مانگنے کے لیے بیٹھے ہوتے تھے۔ ایک انگریز آیا۔ وہ مسجد میں کوئی ڈیزائن دیکھنا چاہتا تھا۔ جب سیڑھیاں چڑھنے لگا تو ایک مسلمان فقیر اس کی طرف بھاگا بھاگا آیا اور کہنے لگا: مجھے کچھ دے دیجیے۔ اس انگریز نے بٹوہ نکالا اور اس کو کچھ پیسے دے دیے اور بٹوہ جیب میں ڈال کر چلا گیا۔

اللہ کی شان، کہ اس کو مسجد کا وہ ڈیزائن پسند آیا اور بیوی کو جا کر بتایا۔ بیوی نے کہا کہ مجھے بھی اگلے ہفتے وہ ڈیزائن دکھائیں۔ کہنے لگا: بہت اچھا۔ رات کو اسے محسوس ہوا کہ جو بٹوہ اس نے جیب میں ڈالا تھا وہ

جیب میں نہیں تھا اور وہ راستے میں ہی کہیں گم ہو گیا تھا۔اس میں تین چار سو روپے بھی تھے۔اس زمانے میں مہینے کی تنخواہ ہی روپیہ یا دو روپیہ ہوتی تھی تو تین چار سو روپے تو بڑی رقم سمجھی جاتی تھی۔خیر اس نے کہا کہ اب تو وہ گم ہو گیا ہے، کیا کریں۔چنانچہ بات آئی گئی ہو گئی۔

اگلے ہفتے وہ اپنی بیوی کو لے کر دوبارہ مسجد کی طرف گیا۔اب جب وہ سیڑھیاں چڑھ رہا تھا تو اس نے دیکھا کہ وہی فقیر بھاگتا ہوا آیا اور اس نے اپنا تھیلا نیچے رکھا اور اس میں سے اس کا بٹوہ نکالا اور کہنے لگا: صاحب! آپ کا یہ بٹوہ یہاں گر گیا تھا، میں نے آپ کو تلاش کرنے کی کوشش کی مگر آپ نکل گئے۔میں نے اس وقت سے یہ سنبھال کر رکھا ہوا ہے۔آپ یہ لے لیجیے۔جب اس نے بٹوہ دیکھا تو اس میں پوری کی پوری رقم موجود تھی۔وہ بڑا حیران ہوا کہ یہ پیسہ پیسہ مانگنے والا، اسے تین چار سو روپے مل گئے تھے، اس نے خود کیوں نہ استعمال کر لیے: پھر یہ ایک ہفتے تک میرا انتظار بھی کرتا رہا۔

چنانچہ اس نے پوچھا: کیا وجہ ہے کہ تم نے میرے پیسے استعمال نہ کیے۔فقیر نے جواب دیا کہ میرے دل میں بھی یہ بات آئی تھی کہ میں ان پیسوں کو استعمال کر لوں، لیکن مجھے فوراً ایک خیال آیا جس کی وجہ سے میں نے ایسا نہ کیا۔اس نے پوچھا: آپ کو کون سا خیال آیا؟ فقیر کہنے لگا: میں مسلمان ہوں، آپ عیسائی ہیں، میرے دل میں خیال آیا کہ ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن یہ مقدمہ اللہ کے سامنے پیش کیا جائے اور آپ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السّلام میرے نبی حضرت محمد ﷺ کو شکوہ کریں کہ آپ کے امتی نے میرے امتی کے پیسے چرائے تھے۔اس خیال کے آنے کے بعد میں نے پیسوں کو استعمال نہ کیا اور میں نے آپکا انتظار کیا۔، اب آپ کی امانت آپ کے پاس موجود ہے۔

سچی بات تو یہ ہے کہ ہم سے تو وہ فقیر اچھا تھا، اسے بھی اس نسبت کا لحاظ تھا، ہمیں بھی اس نسبت کا لحاظ ہونا چاہیے۔

## معافی مانگنے سے پہلے معاف کر دیا:

ایک بزرگ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ حج پر گئے ہوئے تھے۔ایک جگہ جا رہے تھے اور ان کا تھیلا ان کے ہاتھ میں تھا۔ایک نوجوان آیا اور ان سے ان کا تھیلا چھینا اور بھاگ گیا۔ذرا آگے گیا تو اس کی آنکھو ں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔جیسے بینائی چلی گئی۔اس نے رونا شروع کر دیا۔لوگوں نے پوچھا: کیوں روتے ہو؟ کہنے لگا: میں نے فلاں جگہ پر ایک بوڑھے میاں کا تھیلا چھینا ہے اور مجھے لگتا ہے کہ وہ کوئی مقبول بندے تھے کہ میری بینائی چلی گئی۔ مجھے ان کے پاس لے چلو، میں ان سے معافی مانگنا چاہتا ہوں۔

چنانچہ لوگ اس کو اس جگہ پر لے گئے۔وہاں وہ بڑے میاں نہیں تھے۔قریب ہی ایک حجام تھا۔اس سے پوچھا: تو کہا کہ وہ نماز پڑھنے آتے ہیں پھر چلے جاتے ہیں، آپ اگلی نماز تک انتظار کریں، میں نشاندہی کر دوں گا۔

اگلی نماز تک وہ بزرگ آ گئے۔اس حجام نے ان کی نشان دہی کر دی۔اب وہ نوجوان ان سے معافی مانگنے لگا اور کہنے لگا: حضرت! آپ مجھے معاف کر دیں، مجھ سے غلطی ہو گئی، میں بڑا شرمندہ ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔وہ فرمانے لگے کہ میں نے تو آپ کو اسی وقت معاف کر دیا تھا۔جب بار بار اس نے معافی مانگی اور بار بار انہوں نے کہا کہ میں نے تو اسی وقت آپ کو معاف کر دیا تھا تو لوگ بڑے حیران ہوئے۔کسی نے پوچھا: حضرت! اس نے آپ کا تھیلا چھینا اور آپ کہتے ہیں کہ میں نے اسی وقت معاف کر دیا تھا! وہ بزرگ کہنے لگے: ہاں مجھے ایک خیال آ گیا تھا جس کی وجہ سے میں نے معاف کر دیا تھا۔پوچھا: کیا خیال آ گیا تھا؟

اس نے کہا: میں نے علما سے مسئلہ سنا ہے کہ نبی علیہ السّلام نے فرمایا کہ ”قیامت کے دن میری امت کو

حساب کتاب کے لیے پیش کیا جائے گا، جب تک پوری امت کا حساب کتاب پورا نہیں ہو جائے گا میں اس وقت تک جنت میں قدم نہیں رکھوں گا''۔ میرے دل میں خیال آیا کہ اس نے میرا تھیلا چھینا، اگر میں نے معاف نہ کیا تو قیامت کے دن میرا یہ مقدمہ پیش ہوگا، اور جتنی دیر اس مقدمے کے فیصلے میں لگے گی، میرے محبوب ﷺ کو جنت میں جانے میں اتنی دیر ہو جائے گی، میں نے معاف کر دیا کہ نہ مقدمہ پیش ہوگا اور نہ میرے محبوب ﷺ کو جنت میں جانے میں دیر لگے گی۔

کاش! ہمیں بھی اس نسبت کا لحاظ ہوتا اور ہم بھی اپنے جھگڑے سمیٹ لیتے۔ ہم نے آج زندگی کے اندر کتنے معاملات کو بکھیرا ہوا ہے! ہم بھی اس نسبت کی لاج رکھیں۔ یہ نسبت بڑی عجیب ہے۔

## رہے سلامت تمہاری نسبت:

عزیز طلبا! ہمارے پاس تو نسبت کے سوا ہے ہی کچھ نہیں۔

عمل کی اپنے اساس کیا ہے! بجز ندامت کے پاس کیا ہے!
رہے سلامت تمہاری نسبت مرا تو بس آسرا یہی ہے

اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو یہ چٹائیوں پر بیٹھ کر حدیث اور تفسیر کی کتابیں پڑھنے کی نسبت دی ہے یہ بڑی نسبت ہے۔ اس نسبت کی لاج رکھیے۔ ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن پوچھ لیا جائے کہ دوسرے تو عوام الناس تھے، ان سے کیا گلہ، آپ لوگ تو قرآن وحدیث پڑھنے والے تھے، تم نے ہی کچھ نسبت کی لاج رکھ لی ہوتی اور اپنی زندگی کو تم نے ہی اسلام کے مطابق ڈھال لیا ہوتا، تو سوچیے کہ پھر اللہ کے محبوب ﷺ کے سامنے ہم کیا جواب دے سکیں گے؟ اس لیے کہنے والے نے کہا:

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر

''اے اللہ! تو دو عالم سے غنی ہے، میں فقیر ہوں''

گر تو بینی حسابم ناگزیر

''اے اللہ! اگر تو فیصلہ کرلے کہ میرا حساب لینا لازمی ہے''

از نگاہِ مصطفٰے پنہاں بگیر

''اے اللہ! مصطفٰے کریم کی نگاہوں سے اوجھل حساب لے لینا''

تاکہ کہیں ان کے سامنے شرمندگی نہ ہو، آقا ﷺ یہ نہ کہہ دیں کہ تو نے میرے آنسوؤں کی قدر نہ کی، میں تو راتوں کو رو رو کے امت کی مغفرت کی دعائیں کرتا تھا، تو میرا وارث کیسے بنا کہ تو نے پڑھنے کے باوجود اپنی زندگی کو نہ بدلا۔

آج ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی زندگی کو اسلام کے مطابق ڈھالنے کا عہد کریں، پچھلے گناہوں سے سچی توبہ کریں اور آئندہ اسلامی، ایمانی اور قرآنی زندگی بسر کرنے کا دل میں ارادہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس میں کامیاب اور کامران فرمادے اور قیامت کے دن کی ذلت و رسوائی سے ہمیں محفوظ فرمادے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اندر کے انسان کو جگادے اور ہمیں صحیح معنوں میں سچا پکا مومن مسلمان بنادے۔ (آمین ثم آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ